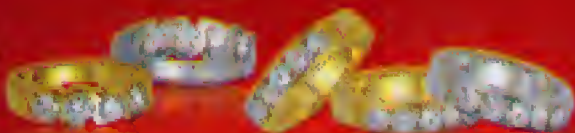


# رسالہ

الرمز المرصف فی بیان الحلیۃ المزین

**آرٹیفشل (Artificial) جیولری**

کے جواز کا ثبوت



از قلم :

عبدہ المذنب

مولانا مفتی محمد راشد القادری

باہتمام

علامہ مولانا مفتی عبدالحلیم صدیقی ہزاروی

ناشر

صدیقی پبلشرز کراچی

## تقریظ

حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالحلیم صدیقی ہزاروی مدظلہ العالی  
شیخ الحدیث والتفسیر دارالعلوم غوثیہ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد! تحریر دل پذیر جو کہ آرٹیفشل جیولری کے استعمال کے جواز میں ہے، بعض مقامات پر بغور مطالعہ کیا، عورتیں سونا، چاندی کے علاوہ دیگر دھات کے زیورات استعمال کرتی ہیں اس کے جواب پر تحقیق قرآن و سنت و مستند تفاسیر کے حوالہ جات و اقوال فقہاء کرام کی روشنی میں کی گئی ہے، یہ محترم فاضل نو جوان ابورضا محمد راشد القادری العطاری نہایت محنت گو ہے، میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمد عبدالحلیم خادم دارالعلوم غوثیہ

سابقہ سبزی مارکیٹ نزد عسکری پارک کراچی ۵

الحمد الذی له الاسماء الحسنی والصلوة والسلام علی سیدنا محمد ذی المقام الاسنی  
و علی اله التقی واصحابه التقی الی یوم الجزاء

مخدوم و محترم العالم الجسیم والفاضل الفہیم الشیخ محمد عبدالحلیم الصدیقی حفظہ اللہ القوی کے زیر شفقت تربیت پانے والے دارالعلوم غوثیہ (سبزی منڈی کراچی) کے مفتی علامہ ابورضا محمد راشد القادری العطاری زید مجدہ الکریم نے خواتین کے سلسلہ میں سونے چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں سے بنے ہوئے زیورات کے استعمال کے جواز پر یہ مختصر رسالہ تحریر فرمایا۔ مولائے رحیم جل جلالہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صدقے موصوف کی اس سعی کو قبول اور مشکور اور ماجور فرماتے ہوئے مزید تحقیقی اور علمی کاموں کے سلسلے میں توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

جب اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے بندوں اور غلاموں کی سہولت اور آسانی کے پہلوؤں پر عمل پیرا ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی تو اس سے کیوں نہ استفادہ کیا جائے، مولائے کریم کا ارشاد ہے، **وما جعل علیکم فی الدین من حرج (الحج: ۷۸)** ترجمہ کنز الایمان: اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے، **یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (البقرہ: ۱۸۵)** ترجمہ کنز الایمان: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان واجب الاذعان ہے، **الدین یسر** ترجمہ: دین آسان ہے۔

نیز دوسری جگہ زبان فیض ترجمان نے ارشاد فرمایا، **عن ابی موسی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بعث احدا من اصحابہ فی بعض امرہ قال بشروا ولا تنفروا و یسروا ولا تعسروا متفق علیہ ترجمہ: ابو موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو کسی کام سے بھیجا تو فرمایا کہ خوشخبری دو منافرت نہ پھیلاؤ، دین میں آسانی دو تنگی نہ کرو۔ (مشکوٰۃ شریف، الفصل الاول، باب ما علی الولاۃ من التیسیر، ص ۳۲۳)**

ان ہی قواعد و ضوابط کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے فقہاء کرام اور راہنوں فی العلم نے حوادث و فوازل (جدید مسائل) کا استنباط استخراج فرمایا، بالخصوص اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، ولی نعمت، مجدد دین و ملت احقر کے دادا پیر الحافظ القاری الامام الشاہ احمد رضا خان صاحب محدث بریلوی علیہ رحمۃ الرضوان نے بالخصوص فتاویٰ رضویہ اور بالعموم دیگر بے شمار کتابوں میں اس کی مثالیں اور نظیریں پیش فرمائی ہیں، کیونکہ جہاں شریعت مطہرہ نے نرمی اور رخصت کا پہلو رکھا ہے اس سے امت مسلمہ کو فائدہ اٹھانا چاہئے، یہی حکم شریعت اور صاحب شریعت نیز اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد و منشا ہے۔ احقر ان ہی چند سطور پر اکتفاء کرتے ہوئے عزیزم علامہ ابورضا محمد راشد القادری العطاری زید مجدہ القوی کیلئے دعا گو ہے کہ مولائے کریم اپنے حبیب رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل موصوف کو ذہن وقاد طبع اخاذ اور مزاج نقاد کی دولت سے مالا مال فرماتے ہوئے علم و عمل کی صلاحیتوں سے بھی نوازے۔ آمین



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ      وَ عَلَى أٰلِكَ وَ اَصْحٰبِكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ

## دارالافتاء دارالعلوم غوثیہ

دارالعلوم الغوثیہ پرانی سبزی منڈی محلہ فرقان آباد کراچی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ (۱) عورتوں کا آرٹیفشل جیولری پہننا کیسا ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ (۲) آرٹیفشل جیولری جائز ہے کوئی کہتا ہے کہ ناجائز ہے..... اور کچھ کہتے ہیں کہ صرف انگوٹھی ناجائز بقیہ آرٹیفشل جیولری جائز ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے، ایک شخص نے پیتل کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا بات ہے تم سے بت کی بو آتی ہے انہوں نے وہ انگوٹھی پھینک دی پھر لوہے کی انگوٹھی پہن کر آئے فرمایا کیا بات ہے کہ تم جہنمیوں کا زیور پہنے ہوئے ہو، اسے بھی پھینکا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ فرمایا چاندی کی بناؤ اور ایک مشقال پورا نہ کرو یعنی ساڑھے چار ماشہ سے کم کی ہو۔

آیا اس حدیث مبارکہ سے فقط انگوٹھی کی حرمت ثابت ہے یا دیگر زیورات کی بھی۔ ان میں سے فی زمانہ کس بات پر عمل کیا جائے۔ کیونکہ فی زمانہ عورتیں کثرت کے ساتھ آرٹیفشل جیولری پہنتی ہیں آیا ان کا یہ فعل جائز ہے یا ناجائز؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

سائلہ..... اُمّ رضا عطاریہ

گلشن اقبال، کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الجواب بعون الملك الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

(۱) عورتوں کیلئے آرٹیفشل جیولری (Artificial Jewellery) کا استعمال مباحات میں شامل ہے اور فقہ کا اہم اصول ہے۔ رد المحتار مع در المختار میں موجود ہے، ان الاصل فی الاشياء الاباحه اقول وصرح فی التحرير بان المختار ان الاصل الاباحه عند الجمهور من الحنفية والشافعية یعنی اصل اشیاء میں اباحت (یعنی مباح ہونا) ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ تحریر میں اس کی صراحت کی گئی ہے کہ جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک احکام میں اصل اباحت (مباح ہونا) ہے۔ (رد المحتار مع در المختار، ج ۲ ص ۲۳۲ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

قرآن مجید کی سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۱۰۱ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔۔۔۔۔ **عفا اللہ عنہا** مفسر قرآن حضرت امام الحافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی معرکہ آراء تصنیف تفسیر ابن کثیر میں اس آیت مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں، **عفا اللہ عنہا ای مالک بذکرہ فی کتابہ فهو مما عفا عنہ فاسکتوا انتم عنہا کما سکت عنہا** وفی الصحیح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ذرونی ما ترککم فانما اهلك من کان قبلکم کثرة سؤالہم واختلافہم علی انبیائہم وفی الحدیث الصحیح ایضا ان اللہ تعالیٰ فرض فرائض فلا تضیعوها وحدودا فلا تعتدوها وحرم اشیاء فلا تنتہکوها وسکت عن اشیاء رحمة نسیان فلا تسالوا عنہا یعنی وہ جس کا اللہ نے اپنی کتاب میں تذکرہ نہیں فرمایا یہ وہی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا اس لئے اس بارے میں منشاء الہی کے مطابق تم بھی خاموش رہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس چیز کے بیان کو میں نے ترک کر دیا ہے تم بھی اسے ویسا ہی رہنے دو، تم سے پہلو تو میں کثرت سوال اور انبیاء کرام کے ساتھ اختلافات کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں انہیں ضائع مت کرو اور کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں انکی پردہ دری نہ کرو اور بعض باتوں سے دانستہ سکوت اختیار فرمایا ہے، یہ محض اس کی مہربانی ہے۔ اسی لئے ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۲ ص ۷۰ طبع دار الفکر بیروت)

حدیث پاک میں بھی یہ اصول موجود ہے۔ جامع ترمذی میں ہے، **عن سلمان قال ثم سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن السمن والجبن والفراء فقال الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فهو مما عفی عنہ** (جامع ترمذی، ج ۲ ص ۲۰۶ طبع فاروقی کتب خانہ) یعنی حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گھی، پنیر اور پوستین (کھال کی قیص، چغہ) کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے ارشاد فرمایا، جو چیز حلال ہے اسکو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کر دیا ہے اور جو چیز حرام ہے اسکو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کر دیا۔ اور جن کاموں یا چیزوں سے سکوت فرمایا یہ ان کاموں میں سے ہیں جن پر مواخذہ نہیں یعنی ان کا استعمال مباح ہے۔

اس حدیث مبارکہ کے تحت حضرت مولانا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری مرقاۃ الفاتح میں فرماتے ہیں **فیہ ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ** یعنی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اصل سب چیزوں میں مباح ہونا ہے۔ (مرقاۃ الفاتح، ج ۸ ص ۵۷ طبع المکتبۃ المحمدیہ کوئٹہ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ رحمۃ اللہ القوی اشعۃ اللمعات میں ارشاد فرماتے ہیں، وایں دلیل ست بر آنکہ اصل در اشیاء اباحت است یعنی دلیل ہے اس بات پر کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ (اشعۃ اللمعات، ج ۳ ص ۵۰۶ طبع نوریہ رضویہ سکھر)



امام اہلسنت، ولی نعمت، عظیم البرکت، عظیم المرتبت، پروانہ شمع رسالت، مجدد دین و ملت، حضرت علامہ مولانا الحاج الحافظ القاری الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فتاویٰ رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں، اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جس چیز کی ممانعت شرع مطہرہ سے ثابت اور اس کی برائی پر دلیل شرعی ناطق، صرف وہی ممنوع و مذموم ہے، باقی سب چیزیں جائز و مباح رہیں گی، غاص انکا ذکر جواز قرآن و حدیث میں منصوص ہو یا انکا کچھ ذکر نہ آیا ہو جو شخص جس فعل کو ناجائز و حرام یا مکروہ کہے اس پر واجب ہے کہ اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے اور جائز و مباح کہنے والوں کو ہرگز دلیل کی حاجت نہیں کہ ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہ ہونا یہی جواز کی دلیل کافی ہے۔

نصر کتاب الحجۃ میں امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، **قال اللہ عزوجل خلقکم و هو اعلم بضعفکم فبعث الیکم رسولا من انفسکم و انزل علیکم کتابا و حدلکم فیہ حدودا امرکم ان لا تعتدوها و فرض فرائض امرکم ان تتبعوها و حرم حرما ت نہاکم ان تنتہوها و ترک اشیاء لم یدعها نسیئا فلا تکلفوها و انما ترکھا رحمة لکم** یعنی بے شک اللہ عزوجل نے تمہیں پیدا کیا اور وہ تمہاری ناتوانی جانتا تھا تو تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا اور تم پر ایک کتاب اتاری اور اس میں تمہارے لئے حدیں باندھیں اور تمہیں حکم دیا کہ ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ فرض کئے اور تمہیں حکم کیا کہ ان کی پیروی کرو اور کچھ چیزیں حرام فرمائیں اور تمہیں ان کی بے حرمتی سے منع فرمایا اور کچھ چیزیں اس نے چھوڑ دیں مگر بھول کر نہ چھوڑیں بلکہ اس نے تم پر رحمت ہی کیلئے انہیں چھوڑا ہے تو ان میں تکلف نہ کرو (یعنی مشقت میں نہ پڑو)۔

مولانا علی قاری رسالہ اقتداء بالخالف میں فرماتے ہیں، **من العلوم ان الاصل فی کل مسئلة هو الصحة و اما القول بالفساد او الکراہة فیحتاج الی حجة من الکتاب والسنة او اجماع الامة** یعنی یقینی بات ہے کہ اصل ہر مسئلہ میں صحت ہے اور فساد یا کراہت ماننا یہ اس بات کا محتاج ہے کہ قرآن یا حدیث یا اجماع امت سے اس پر دلیل قائم کی جائے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۲۶ ص ۵۲۶، ۵۲۷)

مذکورہ دلائل کی روشنی میں یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ اصل اباحت ہے اور فساد و کراہت کیلئے قرآن یا حدیث یا اجماع امت سے دلیل مطلوب ہے اور آرٹیفشل جیولری کی ممانعت کسی نص سے ثابت نہیں۔

دوسری دلیل آرٹیفشل جیولری کے جواز کی یہ آیت مبارکہ ہے، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۹ میں ہے، **خلق لكم ما فى الارض جميعا** یعنی تمہارے نفع کیلئے زمین میں سب چیزوں کو پیدا کیا۔ اس آیت مبارکہ میں لام انتفاع کیلئے ہے، سبب اور تعلیل کیلئے نہیں ہے۔ جیسا کہ امام ناصر الدین ابوالخیر عبداللہ بن الشیرازی البیہاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کے تحت تفسیر البیہاوی میں فرماتے ہیں، **ومعنى لكم لا جلكم وانتفاعكم فى دنياكم باستنفاعكم** اس کے حاشیہ محی الدین شیخ زادہ میں علامہ محمد بن مصلح الدین مصطفیٰ القوجوی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، **(لكم) خصها بالنافعة بناء على ان اللام فى لكم كما تدل على الاختصاص تدل ايضا على معنى النفع كما اشار عليه المصنف رحمة الله عليه فى قوله** اور اسی آیت میں **ما فى الارض** کے زیر تحت تفسیر بیضاوی وارا کے حاشیہ محی الدین شیخ زادہ میں ہے **وهو يقتضى اباحة الاشياء النافعة - فذلك ذهب جماعة من اهل السنة من الحنفية والشافعية منهم الامام فخرالدين الرازى الى ان الاصل فى الاشياء النافعة هو الاباحة الا ان يدل دليل سمعى على خطره فتثبت الحرمة حينئذ** (تفسیر البیہاوی ج ۱ ص ۲۷۹ طبع قدیمی کتب خانہ) یعنی جمہور فقہاء اور اصولیین نے یہ استدلال کیا ہے کہ احکام میں اصل اباحت ہے مگر جب احکام شرعیہ وارد ہوئے تو بعض فرض ہو گئے اور بعض حرام ہو گئے۔ (مثلاً شراب نوشی پہلے مباح تھی بعد میں ممانعت وارد ہوئی تو حرام ہو گئی۔ اسی طرح والدین کی اطاعت کرنا مباح تھا، لیکن جب شریعت نے اس کا حکم دیا تو ہر جائز کام میں اطاعت واجب ہو گئی اور جب مشرکوں نے سائبہ، بحیرہ وغیرہ جانوروں کو از خود حرام کر لیا تھا، یہاں تک کہ ان کا دودھ پینا، ان پر سواری کرنا اور ان کا گوشت کھانا سب کچھ حرام کر لیا تھا، ان کی مذمت میں سورۃ النحل کی نازل فرمائیں، **ولا تقولوا لما تصف السنتكم الكذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا على الله الكذب ان الذين يفترون على الله الكذب لا يفلحون** (آیت: ۱۱۶) ترجمہ کنز الایمان: اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو، بے شک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔

مفسر قرآن حضرت امام الحافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی معرکہ آراء تصنیف تفسیر ابن کثیر میں اس آیت مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں **فقال ولا تقولوا لما تصف السنتكم الكذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا على الله الكذب ويدخل فى هذا كل من ابتدع بدعة ليس له فيها مستند شرعى او حلال شيئا مما حرم الله او حرم شيئا مما اباح الله بمجرد رايه وتشهيه** یعنی اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو از خود بغیر کسی شرعی دلیل کے کوئی بدعت ایجاد کرے یا محض اپنی رائے اور خواہش کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور اللہ تعالیٰ کی مباح کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرائے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۲ ص ۵۹۱ طبع دار الفکر بیروت)



اسکے علاوہ سورۃ یونس، آیت نمبر ۵۹ میں ہے، **قل ارايتم ما انزل اللہ لکم من رزق فجعلتم منه حراما و حلالا قل اللہ اذن لکم علی اللہ تفترون** ترجمہ کنز الایمان: تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو اللہ نے تمہارے لئے رزق اُتارا اس میں تم نے اپنی طرف سے حرام اور حلال ٹھہرایا تم فرماؤ کیا اللہ نے اس کی تمہیں اجازت دی یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔

اس کے تحت بھی تفسیر ابن کثیر میں ہے، **وقد انکر اللہ تعالیٰ علی من حرم ما احل اللہ او احل ما حرم بمجرد الآراء والا هواء التي لا مستند لها ولا دليل عليها ثم توعدهم علی ذلك يوم القيامة فقال وما ظن الذين يفترون علی اللہ الکذب يوم القيامة ای ما ظنهم ان یصنع بهم يوم مرجعهم الینا يوم القيامة** یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا جو بغیر کسی دلیل کے محض اپنی آراء اور خواہش نفسانی کے باعث اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دے لیتے ہیں، ان لوگوں کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا، **وما ظن الذين يفترون علی اللہ الکذب يوم القيامة** یعنی اور کیا گمان ہے ان کا جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۲ ص ۴۴۲) لہذا ان آیات بینات سے واضح ہو گیا کہ کسی چیز کو از خود ناجائز و حرام قرار دینا جائز نہیں جب تک اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی چیز سے منع نہ کریں۔

امام اہلسنت، ولی نعمت، عظیم البرکت، پروانہ شمع رسالت، مجدد دین و ملت، حضرت علامہ مولانا الحاج الحافظ القاری الشاہ احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فتاویٰ رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں، اصل اشیاء میں اباحت ہے جب تک شرع سے تحریم ثابت نہ ہو اس پر جرأت ممنوع و معصیت ہے۔ پھر سورۃ یونس کی مذکورہ آیت مبارکہ کے تحت علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ رحمۃ کا قول نقل فرماتے ہیں،

**لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ باثبات الحرمة والکراهة الذین لا بد لهما من دلیل بل فی القول بالا باحة التي هی الاصل** یعنی اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے میں کوئی احتیاط نہیں کہ حرمت اور کراہت ثابت کرے اسلئے کہ ان دونوں کیلئے ضروری ہے بلکہ احتیاط اس کو مباح کہنے میں ہے اسلئے کہ یہی اشیاء میں اصل ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۲۲ ص ۱۸۰ طبع رضا فاؤنڈیشن)



قرآن مجید و فرقان حمید سے صراحتاً ثابت ہے کہ پچھلی اُمتوں میں بھی لوہا، تانبہ جائز الاستعمال تھے۔ سورۃ الکہف اور سورۃ سبا میں ان کا ذکر موجود ہے۔ جیسا کہ سورۃ سبا، آیت نمبر ۱۰ میں ارشاد فرمایا، **وَالنَّالِہِ الْحَدِیدَ** اور ہم نے اس کیلئے لوہا نرم کیا۔ حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ مبارک میں لوہا موم کی طرح نرم تھا اور آپ اس سے زراہیں بناتے تھے اور قرآن مجید میں اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ لوہے میں ہمارے لئے بہت فائدے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الحديد، آیت نمبر ۲۵ میں ہے، **وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیدَ فِیْہِ بَاسٌ شَدِیدٌ وَ مَنَافِعٌ لِّلنَّاسِ** یعنی ہم نے لوہا اتارا اس میں سخت آنچ (نقصان) اور لوگوں کے فائدے۔ اس کے تحت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نور العرفان میں فرماتے ہیں، منافع سے مراد صنعت و حرفت کے اوزار لوہے سے تیر، تلوار، نیزے، بھالے، ہندوق، توپ، گولے بنتے ہیں نیز اس سے ہر کاریگر کے اوزار تیار ہوتے ہیں بلکہ مردہ کا کفن بھی سوئی سے سلتا ہے جو لوہے کی ہے۔

اسی طرح آرٹیفشل جیولری بھی تانبے، پیتل وغیرہ دھاتوں سے تیار کی جاتی ہے اور یہ سب کچھ عورتوں کی زینت کیلئے بنایا جاتا ہے۔ یہاں اس بات کو واضح کر دینا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ فی زمانہ جو جیولری ہمارے ہاں رائج ہے، وہ صرف دو دھاتوں پیتل (Brass) اور تانبہ (Copper) کو ملا کر بنائی جاتی ہے، جہاں تک ہم سے ہوسکا ہم کراچی کے مختلف کارخانوں میں گئے اور وہاں کے مالکان (Owners) اور کاریگروں (Workers) سے ملے ان سے معلومات حاصل کی، تو تمام کا اس پر اتفاق پایا کہ یہ جیولری دو دھاتوں کو ملا کر بنائی جاتی ہے، اس کو کاروباری حضرات منجوس اور عوام اس کو آرٹیفشل جیولری اور امیٹیشن (Imitation Jewellery) کہتے ہیں۔ بعض لوگ ان میں فرق سمجھتے ہیں جب کہ لغوی اعتبار سے یہ ہم معنی ہیں، یہ نقلی اور مصنوعی زیورات کہلاتے ہیں یعنی سونے چاندی، ہیرے جواہرات کی نقل کی جاتی ہے۔ انگریزی میں مصنوعی یا نقلی اشیاء کو

Imitation اور Fabricated, Artificial کہتے ہیں، یعنی Not origination naturally made in imitation of some thing اور ان پر ننگل (Nickel) کی پالش کی جاتی ہے جس سے ان میں چمک (Shining) آ جاتی ہے، نکل کا معنی فیروز اللبغات میں ایک قسم کی سفید دھات جس کی جلا (چمک، صیقل) دوسری دھاتوں کے سامان پر کی جاتی ہے۔ (طبع فیروز سنز) نکل اصل میں (Hard silvery metal) کہلاتا ہے اور بعض آرٹیفشل جیولرز نے کہا کہ اس پر گلت کیا جاتا ہے، گلت کہتے ہیں سونے کا پانی چڑھانا، طمع کرنا۔ طمع بھی دو طرح سے کیا جاتا ہے ایک فقط سونے یا چاندی کا پانی چڑھادیا جاتا ہے اور دوسرا سونے یا چاندی کے پتر (پتلے ٹکڑے) چڑھادیئے جاتے ہیں، اس کو انگریزی میں گلد (Gild) یعنی Cover with a thin layer gold کہا جاتا ہے۔ دوسری صورت میں تو مطلقاً جائز ہے جیسا کہ ردالمحتار اور فتاویٰ عالمگیری اور دیگر کتب فقہ میں صریحاً جزئیات موجود ہیں اس کا ذکر ہم آگے انگوٹھی کی بحث میں کریں گے۔



قرآن پاک میں سورۃ الزخرف، آیت نمبر ۱۸ میں ہے، **او من ينشأ في الحلية** یعنی اور کیا وہ جو گہنے (زیور) میں پروان چڑھے۔ اس کے تحت حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں، یعنی جو زیورات میں پروان چڑھتی ہے تو اس سے مراد عورتیں ہیں کیونکہ ان کا حسن صورت میں منحصر ہوتا ہے اور زیورات سے آراستہ ہوتی ہیں تاکہ حسن بڑھ جائے۔ (تفسیر مظہری، ج ۸ ص ۲۵۱ طبع نیا القرآن پبلیکیشنز)

اور امام فخر الدین رازی علیہ رحمۃ اللہ الباری تفسیر کبیر میں اس کے تحت ارشاد فرماتے ہیں، **دلت الایۃ علی ان التحلی مباح للنساء وانه حرام للرجال** یعنی اس آیت سے ثابت ہوا کہ زیور عورتوں کیلئے جائز ہے اور مردوں کیلئے حرام ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ مطلقاً عورتوں کو زیور پہننے کی اجازت ہے۔ اسی لئے علمائے کرام نے لوہا، تانبا، پیتل، سیسہ، کانچ، قیمتی پتھر، ہڈی وغیرہ کے زیورات پہننے کی اجازت دی ہے بلکہ فتاویٰ عالمگیری میں تو لوہا، تانبا، یا اس کے مثل کوئی دھات، پیتل وغیرہ کے دھاتوں کے بنے ہوئے زیورات پہننے کے جواز پر صریح جزیئہ موجود ہے۔ **لا باس للنساء بتعليق الخرز في شعورهن من صفر او نحاس او شبه او حديد ونحوها للزينة والسوار منها ولا باس بشد الخرز علی ساقی الصبی او المهد تعلیلاً له کذا فی القنیۃ** یعنی اگر عورت زینت کیلئے اپنے بالوں میں پیتل یا تانبے یا اس کے مثل کوئی دھات یا لوہے وغیرہ کی چٹیا (پراندہ) بنا کر بالوں میں لٹکائے یا ان چیزوں کے کنگن پہنے تو مضائقہ نہیں ہے اور اگر بچہ کی پنڈلیوں میں باندھے یا اس کے بہلانے کو اس کے گہوارہ میں باندھ دے تو بھی مضائقہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۹ طبع قدیمی کتب خانہ)

اس عبارت میں عورتوں کیلئے ان دھاتوں کے استعمال کا جواز دو وجوہ سے ثابت ہوا۔

**اولاً** پہنے اور لٹکانے کا صراحت کے ساتھ ذکر موجود ہے اور چونکہ زیورات کا استعمال دو طرح کا ہوتا ہے، بدن کے کسی حصہ پر لٹکانا یا کسی حصہ میں پہننا اور پہننے میں لپیٹنا یا باندھنا دونوں شامل ہیں۔ شیخ الاسلام علامہ برہان الدین ابوالحسن علی ابن ابی بکر القرغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث شرح بدلیۃ کی **فصل فی الوطی والنظر والمس** میں اس آیت مبارک **ولا یبیدین زینتھن الا لبعولتھن** کے تحت فرماتے ہیں، **والمراد واللہ اعلم مواضع الزینۃ وہی ما ذکر فی الكتاب ویدخل فی ذلك الساعد والاذن والعنق والقدم لان كل ذلك مواضع الزینۃ** یعنی جن جگہوں پر زیورات پہنے جاتے ہیں وہ یہ ہیں..... کان، کلائی، گردن، قدم۔ اسکے حاشیہ میں فرمایا، **والاذن موضع القرط والعنق والصدر والثدی مواضع الدماذج والساعد موضع السوار والساق موضع الخلخال والكف موضع الخاتم** یعنی کان بالی پہننے کی جگہ ہے، گردن، سینہ، چھاتی، ہار گلو بند پہننے کی جگہ، کلائی کنگن پہننے کی جگہ، پنڈلی پازیب پہننے کی جگہ اور ہتھیلی یعنی انگلیاں انگوٹھی پہننے کی جگہ ہیں۔ (بدلیۃ آخرین، ص ۶۲ طبع مکتبہ رحمانیہ) بدن کے ان مختلف اعضاء پر زیورات پہنے بھی جاتے ہیں اور لٹکائے اور باندھے بھی جاتے ہیں۔



**ثانیاً** یہ کہ جب ان دھاتوں کی اشیاء کا عورت کو بالوں میں لٹکانا جائز ہے تو پہننا بھی جائز ہے کیونکہ لٹکانا پہننے کے مشابہ ہے۔

جیسا کہ ردالمحتار میں ہے، **ان التعلیق یشبه اللبس** (ج ۹ ص ۵۸۴ طبع مکتبہ رشیدیہ)

لہذا معلوم ہوا کہ ان دھاتوں کے زیورات کا پہننا، لپیٹنا، باندھنا یا بالوں وغیرہ میں لٹکانا جائز و مباح ہیں اور ہر وہ مباح کام جو اچھی نیتوں کیساتھ کیا جائے تو شرعاً بھی اچھا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں، مسی لگانی کہ عورتوں کو مباح ہے اور اگر شوہر کیلئے سنگار کی نیت سے لگائے تو مستحب کہ یہ نیت شرعاً محمود ہے۔ (ج ۲۳ ص ۲۸۳)

فتاویٰ رضویہ میں ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن سے عورتوں کیلئے کانچ کی چوڑیوں سے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا، جائز ہے **لعدم المنع الشرعی** یعنی کوئی مانع شرعی نہ ہونے کی وجہ سے۔ بلکہ شوہر کیلئے سنگار کی نیت سے مستحب، **وانما الاعمال بالنیات** اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ بلکہ شوہر یا ماں باپ کا حکم ہو تو واجب۔ **لحرمة الحقوق والوجوب طاعة الزوج فیما یرجع الی الزوجیة** یعنی اس لئے کہ والدین اور شوہر کی نافرمانی حرام ہے اور شوہر کی فرمانبرداری بسلسلہ حقوق زوجیت واجب ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (ج ۲۲ ص ۱۱۵ طبع رضا فاؤنڈیشن)

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں ہڈی کی انگوٹھی پہننے کو جائز کہا۔ **التختم بالعظم جائز** (ج ۵ ص ۴۱۴) اصول الشاشی میں فقہ کا اصول لکھا ہے **المطلق یجری علی اطلاقہ** مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے۔ (اصول الشاشی ج ۳ ص ۳۳ طبع دار الکتاب العربی)

درحقیقت یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جن کو بندوں کے فائدے کیلئے نکالیں۔ جامع ترمذی کے باب الادب میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، **ان اللہ تعالیٰ یحب ان یری اثر نعمته علی عبده** یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ

اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اپنے کسی بندے پر آثار نعمت دیکھے۔ امام ترمذی علیہ الرحمۃ اس حدیث مبارک کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **حسنہ**۔ یعنی اس حدیث کی تحسین فرمائی۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۰۵ طبع ائین کمپنی دہلی) ان نعمتوں میں سے لوہا،

تانبا، پتیل وغیرہ بھی ہیں جن کو بندوں نے اللہ ہی کی دی ہوئی عقل سے ایک خوبصورت انداز میں ڈھال کر زیور کی صورت میں تبدیل کر دیا اس سے کئی اللہ کی ان باندیوں کی لاج رہ گئی جو غربت کی وجہ سے سونا، چاندی کے زیوروں کے استعمال کی استطاعت

نہیں رکھتیں اور ان کی خواہشوں کی تکمیل کا آسان ذریعہ مہیا ہو گیا۔ لہذا جب تک ان نعمتوں کے استعمال کی ممانعت نص سے ثابت نہ ہو اسے ناجائز و حرام نہیں کہا جاسکتا ہے۔

سورة الاعراف میں اللہ عزوجل کا فرمان مبارک ہے، **قل من حرم زينة الله التي اخرج لعباده** (آیت نمبر ۳۲) یعنی تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کیلئے نکالی۔

اس آیت مبارکہ کے تحت احکام القرآن للجصاص میں ہے، **قل من حرم زينة الله التي اخرج لعباده والطيبات من الرزق يحتج بجميع ذلك في ان الاشياء على الاباحة مما لا يحظره العقل فلا يحرم منه شي الا ما قام دليله** (احکام القرآن للجصاص، ج ۳ ص ۳۳ طبع دار احیاء التراث العربی) اس آیت مبارکہ سے بھی اشیاء میں اصل اباحت ہونے کی دلیل ملتی ہے۔ جب تک کہ حرمت کی دلیل موجود نہ ہو اس وقت تک کسی مباح چیز کو حرام نہیں کہا جاسکتا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے، **قال محمد رحمة الله تعالى: وبه نأخذ ما لم نعرف شيئا حراما بعينه و هو قول ابي حنيفة رحمة الله تعالى واصحابه كذا في الظهيرية** امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ہم اسی (حلال ہونے یا مباح ہونے) کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین چیز کے حرام ہونے کو جان نہ لیں۔ ایسا ہی ظہیریہ میں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۱ طبع قدیمی کتب خانہ)

لہذا مرد و عورت کو سونے و چاندی کے علاوہ ہر دھات کی استعمالی اشیاء کی اجازت ہے۔ جیسا کہ لوہے، اسٹیل وغیرہ کے بیڈ، ٹیبل، کرسیاں، پیٹیاں، کاریں، موٹر سائیکل، آلات حرب، بندوقیں، توپیں، تلوار، خود، زرہیں، تواء، چھری، دیگیں، پتیلیاں، پلیٹیں، چمچہ، گھڑی اور گھڑی کا چین، زنجیریں، بٹن وغیرہ اسی طرح کی ہزار ہا قسم کی اشیاء مستعملہ بلا روک و ٹوک ہر دھات کی استعمال ہو رہی ہیں اور جہاں تک زیورات کا استعمال کا تعلق ہے تو سونے و چاندی اور ہر دھات کے زیور کا استعمال عورتوں کیلئے تو جائز ہے مگر مردوں کیلئے صرف چاندی کی ایک نگ کی انگوٹھی وہ بھی ساڑھے چار ماشے سے کم کی، اس کے علاوہ کسی بھی قسم کی دھات کی انگوٹھی، چھلے یا چینیں جو آجکل کے نوجوان گلے یا کلائی میں پہنے نظر آتے ہیں، سب ناجائز اور حرام ہیں کیونکہ اس میں عورتوں سے مشابہت ہے اور حدیث شریف میں ایسے پر لعنت فرمائی ہے جیسا کہ سنن ترمذی میں ہے، **عن عباس قال لعن**

**رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم المتشبهات بالرجال من النساء والمتشبهين بالنساء من الرجال** یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں اور ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نے اس حدیث کو حسن صحیح فرمایا۔ (سنن ترمذی، ج ۵ ص ۵۰۵ طبع دار احیاء التراث العربی بیروت)



اسی حدیث مبارکہ کے تحت فیض القدیر میں ہے، **لعن اللہ المتشبهات من النساء بالرجال فيما يختص به من نحو لباس وزينة وكلام وغير ذلك والمتشبهين من الرجال بالنساء لذلك قال ابن جرير فيحرم على الرجال لبس المقانع والخلاخل والقلائد ونحوها والتخنث في الكلام والقانث فيه وما اشبه** (فیض القدیر، ج ۵ ص ۷۷ طبع المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر) لہذا مردوں کو عورتوں کی مشابہت اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت سے بچنا لازم ہے ورنہ لعنت کے مستحق قرار پائیں گے۔ اسی طرح عورتوں کو بھی ایسی انگوٹھی، لباس، جوتیاں وغیرہ پہننے کی اجازت نہیں جو مردانہ طرز پر ہے۔

یہ جاننا بھی نہایت ضروری ہے کہ ہمارے کسی بھی فقہائے کرام و آئمہ مجتہدین نے انگوٹھی کے سوا کسی چیز سے ممانعت نہیں فرمائی۔ یہی نظر یہ صاحب فتاویٰ نور یہ حضرت علامہ محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔ لیکن یہ ممانعت ایسی نہیں جس پر سب متفق ہوں بلکہ بعض فقہائے کرام نے تو لوہے کی انگوٹھی کے جواز کا مطلقاً حکم ارشاد فرمایا ہے۔ مرد و عورت کی کوئی قید نہیں لگائی، اس کا ذکر مختلف کتب میں موجود ہے۔ جس حدیث سے استدلال کیا وہ مشکوٰۃ المصابیح میں ہے، **ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لرجل التمس ولو خاتما من حديد** کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا، تلاش کرو اگر چہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔

اس حدیث کے تحت حضرت علامہ احمد بن علی بن حجر ابوالفضل العسقلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ الباقی فتح الباری میں ارشاد فرماتے ہیں، **فالتمس ولو خاتما من حديد استدل به علی جواز لبس خاتم الحديد** یعنی اس حدیث کے ذریعے لوہے کی انگوٹھی پہننے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔ (فتح الباری، ج ۱۰ ص ۳۲۳ طبع دار المعرفۃ بیروت)

شرح زرقانی میں ہے، **وفيه جواز التختم بالحديد واختلف فيه السلف فاجازه قوم اذ لم يثبت النهی عنه ومنعه قوم وقالو كان هذا قبل النهی وقبل قوله انه حلية اهل النار** یعنی اس حدیث میں لوہے کی انگوٹھی کا جواز ہے اور اس میں اسلاف نے اختلاف کیا، تو ایک گروہ نے جائز کہا جب تک کہ نہ ثابت نہ ہو اور ایک گروہ نے منع کیا۔ (شرح الزرقانی، ج ۳ ص ۱۷۷ طبع المکتبۃ العلمیۃ بیروت)

شرح النووی علی صحیح المسلم میں ہے، **وفی هذا الحديث جواز اتخاذ خاتم الحديد وفيه خلاف للسلف** یعنی اس حدیث میں لوہے کی انگوٹھی بنانے کا جواز ہے اور اس میں اسلاف کا اختلاف ہے۔ (شرح النووی علی صحیح المسلم، ج ۹ ص ۲۱۳ طبع دار احیاء التراث العربی)

فیض القدیر میں ہے، **نہی عن خاتم الذهب ای لبسه واتخاذہ للرجال بدلیل خبرہذا ان حرام علی**

**ذکور امتی حل لاناہم والنہی عن خاتم الذهب للتحريم و عن الحديد للتنزیہ** یعنی سونے کی انگوٹھی پہننا یا

بنوانا مرد کیلئے منع ہے اس حدیث کی وجہ سے کہ دو چیزیں حرام ہیں میری اُمت کے مردوں پر اور عورتوں کیلئے حلال ہیں۔ سونے کی

انگوٹھی میں نہی تحریمی ہے اور لوہے کی انگوٹھی میں تنزیہی ہے۔ (فیض القدیر ج ۶ ص ۳۲۸ طبع المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں فرماتے ہیں، شاید اس فرمان عالی

کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوہے کی انگوٹھی بھی پہننا جائز ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس صحابی سے کیوں فرماتے کہ

اپنی بننے والی عورت کے مہر کیلئے لوہے کی انگوٹھی ہی تلاش کر لو۔ مگر یہ استدلال بہت کمزور ہے۔ (ج ۶ ص ۳۳۲ طبع ضیاء القرآن)

اگرچہ یہ استدلال کمزور ہے مگر مطلقاً جواز کا بھی احتمال رکھتا ہے کیونکہ کلام مجمل ہے اور اس کلام سے حقیقی مراد معلوم نہیں۔

نور الانوار میں ہے، **المراد به اشتباہا لا يدرك بنفس العبارة بل بالرجوع الى الاستفسار ثم الطلب**

**ثم التامل** یعنی مجمل کی مراد اس قدر مشتبہ ہوتی ہے کہ نفس عبارت سے معلوم نہ ہوتی بلکہ متکلم سے استفسار پھر طلب اور پھر تامل

کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ (نور الانوار، ص ۹۱ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اور ہم مطلق جواز کے قائل نہیں کیونکہ مردوں کے حق میں صراحت کے ساتھ نص موجود ہے مگر دلائل سے اتنا تو بخوبی واضح ہو گیا کہ

عورتوں کے حق میں جواز کا بدرجہ اولیٰ احتمال موجود ہے کیونکہ عورتوں سے متعلق کوئی ممانعت پر کوئی نص موجود نہیں۔

اور مذکورہ دلائل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بعض فقہاء کرام نے مکروہ تحریمی فرمایا بعض نے تنزیہی اور بعض نے تو مطلقاً لوہے کی

انگوٹھی کے جواز کا حکم بھی ارشاد فرمایا ہے، تو جب مطلقاً پہننے کے جواز کا استدلال کیا گیا ہے تو اس سے بدرجہ اولیٰ عورتوں کیلئے جواز کا

استعمال کرنا جائز ہوا، اور پھر صریح دلالت بھی موجود ہے۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں لوہا، تانبا، پتیل وغیرہ کے دھاتوں کے بنے ہوئے دوسرے زیورات پہننے کے جواز پر صریح جزئیہ

موجود ہے۔ لہذا مذکورہ دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ جب عورتوں کے حق میں لوہے کی انگوٹھی کا جواز ثابت ہوتا ہے

تو بدرجہ اولیٰ عورتوں کا آرٹیفشل جیولری پہننا بلا کراہت جائز ہوا۔



(۳) عورتوں کا آرٹیفشل جیولری مع انگٹھی پہننا جائز ہے۔ انگٹھی کا ذکر الگ سے اسلئے کیا ہے کہ اگر کسی کے ذہن میں کوئی خدشہ ہو

تو وہ بھی دور ہو جائے، اس کا تفصیلی ازالہ آگے کیا جائے گا، کیونکہ خُجندی میں لوہے، تانبے، پیتل اور سیسے کی بنی ہوئی انگٹھی کا

پہننا مرد و عورت دونوں کیلئے مکروہ لکھا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری (ج ۵ ص ۴۱۳ طبع قدیمی کتب خانہ) اور الجوهرة النيرة

میں خُجندی کے حوالے سے اور رد المحتار میں الجوهرة النيرة کے حوالے سے لکھا ہے، **التختم بالحديد**

**والصفر والنحاس والرصاص مکروہ للرجال والنساء** (رد المحتار مع در المختار ج ۹ ص ۵۹۴ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

الجوهرة النيرة میں ہے، **لانه زى اهل النار** کے الفاظ زیادہ ہیں یعنی اسلئے کہ یہ جہنمیوں کا طریقہ ہے۔ (الجوهرة النيرة

ج ۲ ص ۳۶۰ طبع میر محمد کتب خانہ کراچی) اور ساتھ ہی ایسے مسائل بھی مرقوم ہیں جن سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ لوہے وغیرہ کا

استعمال مطلقاً ممنوع نہیں بلکہ بعض صورتوں میں جائز بھی ہے جیسا کہ رد المحتار میں ہے، **لا بأس بان يتخذ خاتم**

**حديد قد لوى عليه فضة والبس بفضة حتى لا يرى** یعنی لوہے کی انگٹھی پر جب چاندی چڑھا دی گئی ہو یا طبع کر دی

گئی ہو یہاں تک کہ لوہا نظر نہ آئے تو ایسی انگٹھی پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ (رد المحتار مع در المختار، ج ۹ ص ۵۹۵ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

یہی حکم فتاویٰ عالمگیری، ج ۵ ص ۴۱۴ میں اور حاشیۃ الطحطاوی علی الدر، ج ۴ ص ۱۸۱ میں، تحفۃ الاحوذی، ج ۵ ص ۳۹۵ طبع دار الکتب العلمیۃ

میں ہے، فی زمانہ اسکی وضاحت بہت ضروری ہے کیونکہ علامہ خجندی کے سوا ان دھاتوں کی انگٹھی کو عورتوں کے حق میں کسی نے

مکروہ نہیں کہا۔ جس نے بھی عورتوں کے حق میں ان دھاتوں کی انگٹھی کو مکروہ لکھا وہ واسطہ یا بلا واسطہ (Direct or Indirect)

علامہ خجندی کے حوالے سے ہی لکھا۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

خجندی کی عبارت میں ان دھاتوں کی انگٹھی کو مکروہ لکھا ہے اور فقہائے کرام مکروہ کا لفظ حرام، تحریمی اور تنزیہی ان تینوں کیلئے استعمال

کرتے ہیں..... مثلاً

## ۱.....لفظ مکروہ سے حرام مراد لینے کی مثال

ہدایہ شرح بدایہ میں ہے، **ومن صلی الظهر يوم الجمعة في منزله والا عذر له كره له ذلك** جس نے جمعہ کے دن امام کی نماز سے قبل اپنے گھر میں بلا عذر ظہر کی نماز ادا کی تو یہ اس کیلئے مکروہ ہے۔ (ہدایہ شرح بدایہ، ج ۱ ص ۸۲ طبع المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت) اور یہی عبارت رد المحتار مع در المختار میں ہے، صرف ان الفاظ کا اضافہ ہے، **وجازت صلاته وانما اراد حرم عليه** (رد المحتار ج ۲ ص ۳۶ طبع دارالمعرفۃ بیروت) اور شرح فتح القدیر میں اس کی حرمت کی علت یہ لکھی ہے، **فالحرمه لتترك الفرض** (شرح فتح القدیر ج ۲ ص ۵۰ طبع دارالمعرفۃ بیروت) یہاں مکروہ سے مراد حرام ہے جیسا کہ صراحت موجود ہے۔

## امام محمد علیہ الرحمۃ کا مکروہ سے حرام مراد لینا

**والمروى عن محمد رحمۃ اللہ نصابا ان کل مکروہ حرام الا انه لما لم يجد فيه نصا قاطعا لم يطلق عليه لفظ الحرام** یعنی امام محمد علیہ الرحمۃ سے مروی ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے، مگر یہ کہ جب تک اس بارے میں نص قطعی نہ ملے اس پر لفظ حرام کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔ (ہدایہ شرح بدایہ، ج ۳ ص ۸۷ طبع المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت)

حضرت علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ شامی میں فرماتے ہیں، **و یسمیہ محمد حراما ظنیا** یعنی امام محمد علیہ الرحمۃ مکروہ تحریمی کو حرام ظنی فرماتے ہیں۔ (فتاویٰ شامی، ج ۱ ص ۱۳۱ طبع دارالمعرفۃ بیروت)

## ۲.....لفظ مکروہ سے مکروہ تحریمی مراد لینا

صاحب بحر حضرت علامہ شیخ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف بابن نجیم المصری الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بحر الرائق میں فرماتے ہیں، **قال ابو یوسف قال لابی حنیفۃ رحمۃ اللہ اذا قلت فی شیء اکره فما رايك فيه قال التحريم** یعنی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا، آپ کسی چیز کے بارے میں اکرہ فرماتے ہیں تو اس میں آپ کی کیا رائے ہوتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، مکروہ تحریمی۔ (بحر الرائق، ج ۱ ص ۳۷ طبع دارالمعرفۃ بیروت) ایسا ہی رد المحتار مع در المختار (ج ۶ ص ۳۳۷ طبع دارالمعرفۃ بیروت) میں ہے۔

امام عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ القوی اپنی کتاب الحدیقة الندیة کے باب آفات الیدین میں فرماتے ہیں، **والکراهة عند الشافعية اذا اطلقت تنصرف الى التنزیهية لا الترحیمية بخلاف مذهبنا** یعنی لفظ کراہت مطلق بولا جائے تو شوافع کے نزدیک کراہت تنزیہیہ پر محمول ہوگا اور ہمارے مذہب (احناف) میں تحریمی پر۔ (الحدیقة الندیة ج ۲ ص ۴۴۰ طبع نور یہ رضویہ فیصل آباد)



۳..... لفظ مکروہ سے مکروہ تنزیہی مراد لینا

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فتاویٰ رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں، ہمارے علمائے کرام کے کلام میں غالباً کراہت مطلقہ سے مراد کراہت تحریم ہوتی ہے مگر کلیۃً نہیں بہت جگہ عام مراد لیتے ہیں اور بہت جگہ خاص کراہت تنزیہی،  
كما لا يخفى على من تتبع كلامهم وقد بينه في البحر الرائق ورد المختار (ج ۲۳ ص ۶۵۰)

مکروہ سے تنزیہی مراد لینے کی مثال

والهرة والدجاجة المخلاة وسباع الطير وسوا كن البيوت مكروه اي سؤر هذه الاشياء مكروه  
قال المصنف في المستصفى ويعنى من السؤر المكروه انه طاهر لكن الاولى ان يتوضا بغيره يعنى  
تلی گلیوں میں پھرنے والی مرغی، چیز پھاڑ کرنے والے پرندوں اور گھروں میں رہنے والے جانوروں کا جھوٹا مکروہ ہے۔  
مصنف نے مستصفیٰ میں فرمایا، یعنی کہ وہ پاک ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کے علاوہ پانی سے وضو کیا جائے۔ (بحر الرائق،  
ج ۱ ص ۳۷ طبع دار المعرفۃ بیروت) یہاں مکروہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ مکروہ تنزیہی کا مرجع خلاف اولیٰ ہے جیسا کہ

رد المختار مع در المختار میں ہے، **المكروه تنزيها و مرجعه الى ما تركه اولی** یعنی مکروہ تنزیہی کا مرجع  
خلاف اولیٰ کی طرف ہے۔ (ج ۱ ص ۳۲ طبع دار المعرفۃ بیروت) ایسا ہی بحر الرائق (ج ۲ ص ۲۰ طبع دار المعرفۃ بیروت) میں ہے،  
بحر الرائق کی اس عبارت پر منحة الخالق میں ہے، **الكراهة لا بدلها من دليل خاص وبذلك يندفع الاشكال لان**

**المكروه تنزيها الذي ثبتت كراهة بالدليل يكون خلاف الاولى ولا يلزم من كون الشيء خلاف الاولى**  
**ان يكون مكروها تنزيها مالم يوجد دليل الكراهة** یعنی کراہت کیلئے دلیل خاص ضروری ہے اور اس سے اشکال مرتفع  
ہو جائے گا اس لئے کہ مکروہ تنزیہی وہ ہے جس کی کراہت دلیل سے ثابت ہو وہ خلاف اولیٰ ہوگا اور کسی چیز کے خلاف اولیٰ ہونے  
سے یہ لازم نہیں کہ وہ مکروہ تنزیہی بھی ہو، تا وقتیکہ دلیل کراہت نہ پائی جائے۔ (منحة الخالق علی البحر ج ۲ ص ۲۰۲ طبع ایچ ایم سعید کمپنی)

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فتاویٰ رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں، **وهو اطلاق الكراهة في النظرو**  
**شرح النقاية وحاشية مراقي الفلاح و غاية البيان وفتح المحقق حيث الطلق فانها كما عرف في محله**  
**اذا اطلقت كانت ظاهرة في التحريم الا بصارف** یعنی نظم حاویہ مراقی الفلاح، غایۃ البیان، فتح القدیر میں ہے  
کہ لفظ کراہت مطلقاً بولا جائے تو کراہت تحریمی مراد ہوگی، ہاں کوئی قرینہ صارفہ ہو تو اور بات ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۲۸ ص ۱۵۲)

طبع رضا فاؤنڈیشن

صاحب بحر حضرت علامہ شیخ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف بابن نجیم المصری اٹھٹی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بحر الرائق میں اسی بات کی تصریح فرماتے ہیں، **اذا ذكروا مكروها فلا بد من النظر في دليله فان كان نهيا ظنيا يحكم بکراهة التحريم الا لصارف للنهي عن التحريم الى الندب فان لم يكن الدليل نهيا بل كان مفيد للترك للغير الجازم فهي تنزيهية** یعنی جب فقہاء کرام مکروہ کا ذکر کریں تو قاری کو چاہئے کہ وہ اس کی دلیل میں غور کرے اگر وہ نئی ظنی ہو تو اس پر مکروہ تحریمی ہونے کا حکم لگایا جائیگا مگر یہ کہ ایسی دلیل آجائے جو اسکو تحریم سے ندب (مستحب) کی طرف پھیر دے اور اگر دلیل نئی نہ ہو اور کسی غیر لازم چیز کے ترک کا فائدہ دے تو وہ کراہت تنزیہی ہوگی۔ (بحر الرائق ج ۲ ص ۲۰ طبع دار المعرفۃ بیروت) یہی تصریح حضرت علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ شامی (ج ۱ ص ۳۲۱ طبع دار المعرفۃ بیروت) میں بھی فرماتے ہیں۔

لہذا مذکورہ عبارات اور بالخصوص صاحب بحر کی تصریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر وہ شے مکروہ تنزیہی قرار دی جائے جس سے متعلق کوئی قرینہ صارفہ موجود ہو، یا اس سے متعلق دلیل نئی نہ ہو، اور کسی غیر لازم چیز کے ترک کا فائدہ دے۔

فتاویٰ عالمگیری میں باب العاشر فی استعمال الذهب والفضة میں جہاں عورتوں کے حق میں ان دھاتوں کی انگوٹھی کو مکروہ لکھا ہے وہاں باب العشرون فی الزينة واتخاذ الخادم للخدمة میں ان دھاتوں کے پراندے (چٹیا) اور کنگن پہننے کو صریح طور پر جائز کہا گیا ہے۔ جیسا کہ بیان گزرا۔ لہذا جب عورتوں کو ان دھاتوں کی دیگر اشیاء پہننے کی مطلقاً اجازت ہے تو فقط انگوٹھی کی ممانعت کہاں سے ثابت ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کیلئے انگوٹھی کی ممانعت پر کوئی نئی بھی موجود نہیں اور غیر لازم چیز کے ترک کا فائدہ دے رہی ہے کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ عورتوں کو ان دھاتوں کی انگوٹھی پہننا کوئی لازم فعل نہیں ہے تو اس کے ترک کا کیا فائدہ۔ اور جیسا کہ معلوم ہوا کہ کراہت تنزیہی کیلئے دلیل کا ہونا ضروری ہے اور عورتوں کے حق میں ممانعت کی کوئی دلیل بھی نہیں، لہذا اس قرینہ صارفہ کی بناء پر مذکورہ تصریح کی رو سے عورتوں کے حق میں ان دھاتوں کی انگوٹھی کو مکروہ تنزیہی تو کہا جاسکتا ہے لیکن تحریمی نہیں کہا جاسکتا۔ اور رد المحتار مع در المختار کی عبارت سے معلوم ہوا کہ مکروہ تنزیہی کا مرجع خلاف اولیٰ ہے تو بالآخر یہ نتیجہ نکلا کہ عورتوں کا ان دھاتوں کی انگوٹھی پہننا صرف خلاف اولیٰ ہے یعنی نہ پہننا بہتر ہے اور اگر پہننے تو شرعاً کوئی گرفت نہیں۔ **ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصية** کیونکہ مکروہ تنزیہی گناہ نہیں ہوتا اور یہ نتیجہ بھی فقط علامہ بخمدی کے قول کراہت کی بناء پر نکالا۔ ورنہ راقم الحروف کا موقف تو یہ ہے کہ عورتوں کا ان دھاتوں کی انگوٹھی پہننا بلا کراہت جائز ہے کیونکہ کراہت تنزیہی حکم شرعی ہے اگر تنزیہی پر بھی محمول کیا جائے تو اس کیلئے دلیل شرعی کی ضرورت ہوگی۔



اور جن فقہاء کرام نے اس قول کو نقل کیا وہ قول احوط پر مبنی ہے، لیکن فی الوقت ایسی صورت حال میں اس پر عمل ممکن نہیں۔

الحدیقة الندیة میں ہے، **فی زماننا هذا لا يمكن الاخذ بالقول الا حوط فی الفتوی الذی افقی به الائمة وهو ما اختار الفقیه ابو الیث انه ان كان فی غالب الظن ان اکثر مال الرجل حلال جاز قبول هدیته و معاملة والا** (ملخصاً) یعنی ہمارے زمانے میں قول احوط کو لینا جس پر آئمہ کرام نے فتویٰ دیا ہے ممکن نہیں، اسی کو فقیہ ابو الیث نے اختیار فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کے اکثر مال کے حلال ہونے کا گمان غالب ہو تو اس کا ہدیہ قبول کرنا اور اس کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ (الحدیقة الندیة، ملخصاً ج ۲ ص ۲۰ طبع نوریہ رضویہ فیصل آباد)

علامہ بخمدی کا عورتوں کے حق میں اس کو مکروہ فرمانا اپنے زمانہ کے اعتبار سے تھا اور فقہ کی دنیا کے کسی بھی طفل مکتب سے یہ امر مخفی نہیں کہ ہر مفتی اپنے دور کے عرف اور تعامل کے اعتبار سے کلام کرتے اور فتویٰ دیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رسائل ابن عابدین میں رسالہ شرح عقد رسم المفتی میں فرماتے ہیں، **لا بد من معرفة عرف زمانه و احوال اهله** یعنی مفتی کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانہ کا عرف جانتا ہو اور اہل زمانہ کے احوال سے واقف ہو۔ (رسائل ابن عابدین، الجزء الاول، ص ۳۶ طبع مکتبہ عثمانیہ کوئٹہ) اور ہونا بھی یہی چاہئے۔ کیونکہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے زمانہ والوں کے حالات ان معاملات، طور طریقے، عرف کو نہیں جانتا ہو وہ جاہل اور نادان ہے۔

جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی عقود رسم المفتی میں فرماتے ہیں، **من جهل باهل زمانه فهو جاهل** (ص ۳۶) لہذا علامہ بخمدی نے بھی اپنے دور کے اعتبار سے اسے مکروہ فرمایا۔ اور چونکہ اس وقت آرٹیفشل جیولری اور انگوٹھی کا رواج اس قدر عام ہو گیا ہے کہ نہ صرف کراچی بلکہ پاکستان کے تقریباً ہر شہر میں اسے بکثرت پہنا جاتا ہے اور نہ صرف پاکستان بلکہ راقم الحروف کی معلومات کے اعتبار سے عرب و عجم میں اور بالخصوص مشرق و مغرب کے تقریباً تمام ہی ممالک میں اور دنیا بھر میں اسے کثرت کے ساتھ پہنا اور سراہا جا رہا ہے۔ یہی وہ عرف عام و تعامل ہے جسے فقہائے کرام مذہب ارجح میں صالح تخصیص نص و ترک قیاس مانتے ہیں۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فتاویٰ رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں، علمائے کرام جس عرف عام کو فرماتے ہیں کہ قیاس پر قاضی ہے اور نص اس سے متروک نہ ہوگا مخصوص ہو سکتا ہے وہ یہی عرف حادث شائع ہے کہ بلاد کثیرہ میں بکثرت رائج ہو۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۹ ص ۶۰۶) لہذا فی زمانہ اس کے جواز کی دو وجوہات ہوئیں:-

**اولاً.....** تو یہ کہ آرٹیفشل انگوٹھی پہننے کا رواج عام ہو گیا ہے۔ لہذا ابتلائے عام کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

**ثانیاً.....** عورتوں سے متعلق آرٹیفشل انگوٹھی کے ناجائز ہونے پر کوئی نص موجود نہیں۔

فی زمانہ عورتوں کیلئے آرٹیفشل انگوٹھی کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ جس حدیث مبارکہ سے استدلال کر کے فقہائے کرام نے مردوں اور عورتوں کیلئے آرٹیفشل انگوٹھی کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اس حدیث مبارکہ سے فقط مردوں کے حق میں حرمت ثابت ہے۔

رد المحتار میں ہے، **عبد اللہ بن بريدة عن ابيه ان رجلا جاء الى النبي و عليه خاتم من شبه فقال له مالى اجد منك ربح الاصنام فطرحة ثم جاء و عليه خاتم من حديد فقال مال اجد عليك حلية اهل النار فطرحة فقال يا رسول الله من اى شى اتخذه قال اتخذه من ينوى ولا تتمه مثقالا فعلم ان التختم بالذهب والحديد والصفير حرام فالحق يشب بذلك لانه قد يتخذ منه الاصنام فاشبه الشبه الذى هو منصوص معلوم بالنص اتقانى والشبه محركا للنحاس الاصفر** (رد المحتار مع در المختار ج ۹ ص ۵۹۳ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

جمہور فقہاء نے اس حدیث سے مردوں کیلئے حرمت ثابت کی ہے۔ طحاوی علی الدر میں بھی ہے بلکہ خود علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ الہادی نے رد المحتار میں اس حدیث کو نقل فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا، **فالحاصل ان التختم بالفضة حلال للرجال بالحديث و بالذهب والحديد والصفير حرام عليهم بالحديث** یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ حدیث شریف کی رو سے چاندی کی انگوٹھی مردوں کیلئے حلال ہے اور سونا، لوہا، پتیل مردوں کیلئے حرام ہے۔ (رد المحتار مع در المختار ج ۹ ص ۵۹۳ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

رہا عورتوں کے حق میں آرٹیفشل انگوٹھی کا حکم تو یہ جاننا چاہئے کہ عورتوں کے حق میں انگوٹھی کی حرمت منصوص نہیں بلکہ جس حدیث شریف سے فقہائے کرام رحمہم اللہ علیہم اجماعاً نے مردوں کیلئے کراہت کو ثابت کیا ہے اس میں عموم علت کا اعتبار کرتے ہوئے عورتوں کو بھی داخل کر لیا گیا، لہذا آرٹیفشل انگوٹھی کی کراہت عورتوں کے حق میں قیاسی ہے اور دوسری طرف عورتوں میں آرٹیفشل جیولری مع انگوٹھی میں تعامل ہو گیا ہے اور جیسا کہ ہم نے لکھا ہے عرف عام کی وجہ سے نص میں تخصیص اور قیاس کو چھوڑا جاسکتا ہے بالکل اسی طرح تعامل کی وجہ سے بھی نص میں تخصیص اور قیاس کو چھوڑا جاسکتا ہے جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ الہادی رسائل ابن عابدین میں رسالہ شرح العقود رسم المفتی میں فرماتے ہیں، **والتعامل حجة يترك به القياس و يخص به الاثر** یعنی تعامل ایسی حجت ہے کہ اس کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور روایت میں تخصیص کر لی جاتی ہے۔ (رسائل ابن عابدین، الجزء الاول، ص ۷۷ طبع مکتبہ عثمانیہ کوئٹہ)

اگر فی زمانہ اسی موقف پر قائم رہا جائے اور اس کے استعمال کو مکروہ اور اس کو پہن کر نماز کو مکروہ تحریمی قرار دیا جائے تو عورتوں کی اکثریت ہے جو اس پر قائم اور عامل نظر آتی، تو یہ سب گنہگار اور اپنی نمازوں کو برباد کرنے والی قرار پائیں گی جو کہ بہت بڑا حرج عظیم ہوگا۔



اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فتاویٰ رضویہ میں اپنے رسالہ حقۃ المرجان لمہم حکم الدخان میں حقہ پینے سے متعلق اجتلاء عام ہو جانے پر ارشاد فرماتے ہیں، ایسی حالت میں کہ عجماً و عرباً شرقاً و غرباً عام مؤمنین بلاد و بقاع تمام دنیا کو اس سے ابتلا ہے تو عدم جواز کا حکم دینا عامۃ امت مرحومہ کو معاذ اللہ فاسق بنانا ہے جسے ملت حنفیہ کچھ سہلہ غرابیضا ہرگز گوارا نہیں فرماتی، اسی طرح علامہ جزری نے العقود الدریۃ میں اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے **فی الافقاء بحلہ دفع الحرج عن المسلمین** یعنی اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دینے میں مسلمانوں سے دفع حرج ہے۔ (اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ ہماری اس سے مراد یہ نہیں کہ عام مسلمان اگر کسی حرام میں مبتلا ہو جائیں تو وہ حلال ہو جاتا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ عموم بلوی شرعی طور پر اسباب تخفیف میں سے ہے، کوئی تنگی نہیں جس میں وسعت نہ پیدا ہو، جب یہ معاملہ ایک اختلافی مسئلہ میں واقع ہوا تو مسلمانوں کو تنگی سے بچانے کیلئے آسانی کی جانب کو ترجیح ہوگی۔ خادم فقہ پر پوشیدہ نہیں کہ جیسے یہ ضابطہ طہارت و نجاست میں جاری ہے ایسے ہی حرمت و اباحت میں بھی جاری ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۲۵ ص ۸۹ طبع رضا فاؤنڈیشن)

لہذا جہاں شریعت نے نرمی اور رخصت کا پہلو رکھا ہے اس سے پورا استفادہ کر کے عوام کو گناہوں سے اور بدظن ہونے سے بچایا جائے گا۔ یہی حکم شریعت اور صاحب شریعت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے۔ فتح القدیر میں ہے، **وقولہ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر فیہ ان ہذا مقصد من مقاصد الرب سبحانہ و مراد من مراداتہ فی جمیع امور الدین و مثله قول تعالیٰ وما جعل علیکم فی الدین من حرج و قد ثبت عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ کان یرشد الی التیسیر و ینہی عن التعسیر کقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یسرُوا ولا تعسروا و یسرُوا ولا تنفروا و هو فی الصحیح والیسر السہل الذی لا عسر فیہ** یعنی اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔ یہی رب سبحانہ کے مقصدوں میں ایک مقصد ہے اور دین کے تمام امور میں اسکی یہی مراد ہے۔ اسکی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہیں رکھی۔ اور تحقیق ثابت ہوا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے، آسانیاں پیدا کرو تنگیاں پیدا مت کرو اور خوشخبریاں سناؤ اور نفرت مت دلاؤ اور یہی درست ہے اور نرمی وہ آسانی ہے جس میں تنگی نہ ہو۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۸۳ طبع دار الفکر بیروت)

عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں، القاعدة الثالثة المشقة تجلب التيسير الاصل في هذه القاعدة قوله تعالى يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر وقوله تعالى وما جعل عليكم في الدين من حرج وقوله صلى الله تعالى عليه وسلم بعثت بالحنيفية السمحة اخرجه احمد في مسنده من حديث جابر بن عبد الله ومن حديث ابى امامة والديلمي وفي مسند الفردوس من حديث عائشة رضى الله عنها و اخرج احمد في مسنده والطبرانى والبزار وغيرهما عن ابن عباس قال قيل يا رسول الله اى الاديان احب الى الله قال الحنيفية السمحة واخرجه البزار من وجه آخر بلفظ اى الاسلام وروى الطبرانى فى الاوسط من حديث ابى هريرة رضى الله تعالى عنه ان احب الدين الى الله الحنيفية السمحة وروى الشيخان وغيرهما من حديث ابى هريرة وغيره انما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين وحديث يسروا ولا تعسروا- وروى احمد من حديث ابى هريرة مرفوعا ان دين الله يسر ثلاثاً وروى ايضا من حديث الاعرابى بسند صحيح ان خير دينك يسره ان خير دينكم يسره وروى ابن مردويه من حديث محجن بن الادرع مرفوعاً ان الله انما اراد بهذه الامة اليسر ولم يرد بهم العسر وروى الشيخان عن عائشة رضى الله عنها ما خير رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بين امرين الا اختار اليسرهما ما لم يكن اثماً وروى الطبرانى عن ابن عباس مرفوعاً ان الله شرع الدين فجعله سهلاً سمحاً واسعاً ولم يجعله ضيقاً قال العلماء يتخرج على هذه القاعدة جميع رخص الشرع وتخفيفاته (الخباء والنظار ج ١ ص ٦ طبع دار الكتب العلمية) يعنى قرآن مجيد اور احاديث مبارکہ کا یہی مفہوم ہے کہ اللہ بندوں پر آسانیاں چاہتا ہے اس لئے اس نے دین میں تنگی نہ رکھی بلکہ اس کا پسندیدہ دین وہ ہے جو سیدھا اور معتدل ہو۔ اسی لئے ارشاد فرمایا، **ان الدين عند الله الاسلام** اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہی دین ہے۔ اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے تم کو آسانیاں پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے تنگیاں پیدا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ اور ایک روایت میں تو ارشاد فرمایا کہ اللہ اس اُمت پر نرمی و آسانی چاہتا ہے تنگی و دشواری نہیں چاہتا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب بھی دو کاموں میں سے کسی کام کو اختیار فرمایا تو جو دونوں میں زیادہ آسان ہوتا اسے اختیار فرماتے، ایک روایت میں ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے آسان، معتدل اور کشادہ دین کی راہ ڈالی اور تنگی نہ بنائی۔ اسی قاعدہ کے تحت علمائے کرام شریعت کے مسائل میں رخصت اور تخفیف فرماتے ہیں۔



مذکورہ دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شریعت میں بندوں کے تعامل و ضرورت، تنگی و مشقت کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، اسی وجہ سے فقہ میں ایسے اصول و قواعد موجود ہیں جن کی وجہ سے حاجات کے تحت شرعی احکام میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ جیسا کہ صدر الشریعہ بدرالطریقہ حضرت علامہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ امجدیہ میں ارشاد فرماتے ہیں، بعض احکام ظنیہ میں مصلحت یا ضرورت یا عموم بلوی وغیرہ وجوہ سے علماء کرام نے زیادت و نقص و خلاف کا حکم دیا ہے اور اس کے نظائر کتب فقہ میں کثیر ہیں کہ متقدمین نے ایک قول پر فتویٰ دیا اور متاخرین نے اس کے خلاف پر۔ بعض احکام کہ مرور زمانہ سے متبدل ہو گئے۔ اور جو مسائل زمانہ کی وجہ سے بدل گئے ان کی چند مثالیں پیش فرمائیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں عورتوں کو مسجد سے روکنا منع تھا کہ ارشاد فرمایا، **اذا استاذنت احدکم امراته الى المسجد فلا يمنعها** جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اسے منع نہ کرے۔ **رواہ البخاری و مسلم و نسائی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما** و فی روایۃ احمد و ابوداؤد عنہ و عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بهذا اللفظ۔ لا تمنعوا امماء اللہ مساجد اللہ یعنی اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مسجد سے نہ روکو۔ مگر جب حالت زمانہ متغیر ہوگئی اور صلاح فساد سے متبدل ہوا تو خود ائمہ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں، **لو رای النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما احدث النساء فی زماننا لمنعهن المساجد کما منعت نساء بنی اسرائیل** یعنی اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کو دیکھا ہوتا جن کو ہمارے زمانہ کی عورتیں کرتی ہیں۔ تو ان کو مسجدوں سے منع فرمادیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں مسجدوں سے روک دی گئیں۔ پھر اور زمانہ بدلا تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو ان عورتوں کو مطلقاً اور بوڑھیوں کو بعض اوقات میں منع فرمایا۔ پھر اور بدلا تو متاخرین نے عورتوں کو مطلقاً منع فرمادیا۔ اور اب اسی پر عمل ہے۔ **و یکرہ حضورہن الجماعة ولو لجمعة و عید و وعظ مطلقا ولو عجوزا لیل علی المذهب المفتی بہ لفساد الزمان** جوہرۃ میں ہے، **والفتویٰ الیوم علی الکراہۃ فی الصلوات کلھا لظہور الفسق فی هذا الزمان** مگر یہ حقیقت مخالف نہیں بلکہ عین مقصد شارع ہے کہ شریعت مطہرہ کے اصول میں سد باب فتنہ ہے جو چیز ایک وقت میں سبب فتنہ نہ تھی اور اب منجر الی فتنہ ہے تو اس سے روکا جائے گا۔ اسی وجہ سے جب اس مذہب مفتی بہ پر صاحب بحر نے اعتراض کیا کہ یہ تو نہ امام اعظم کا مذہب ہے نہ صاحبین کا۔ **وقد یقال هذه الفتوی التي اعتمدها المتأخرون مخالفة لمذهب الامام وصاحبيه فانهم نقلوا ان الشابة تمنع مطلقا اتفاقا واما العجوز فلها حضور الجماعة ثم ابی حنیفة فی الصلاة الا فی الظہر والعصر والجمعة یرج العجائز فی الصلاة کلھا کما فی الهدایة والمجمع وغیرہما فالافتاء بمنع العجوز فی الكل مخالف للكل فالاعتماد علی مذهب الامام** تو صاحب نہر نے



جواب دیا کہ یہ امام کے مذہب سے مستفاد ہے۔ لہذا قول امام ہی قرار دیا جائیگا۔ عبارت نہریہ ہے، **وفیه نظر بل هو مأخوذ من قول الامام وذاك انه انما منعها لقيام العامل وهو فرط الشهوة بناء على ان الفسقة لا ينتشرون في المغرب لانهم بالطعام مشغولون في الفقر والعشاء نائمون فاذا فرض انتشارهم في هذا الاوقات لخلية فسقهم كما في زماننا بل تعديهم اياما كان لا منع فيها اظهر من الظاهر** اس سے معلوم ہوا کہ قول مقصد شرع کے بالکل مطابق ہے اور اسے مخالفت حدیث بھی نہ کہیں گے۔ اسی طرح اذان ثانی اور تحویب کا مسئلہ۔ تحویب کو متقدمین نے بدعت فرمایا تھا مگر متاخرین نے جائز بلکہ مستحب و مستحسن فرمایا: درمختار میں ہے، **ويثوب بين الاذان والاقامة في الكل للكل - ردالمحتار لظهور القواني في الامور الدينية قال في العناية احدث المتأخرون التثويب بين الاذان والاقامة على حسب ما تعارفوه في جميع الصلوات سوى المغرب مع ابقاء الاول يعنى الاصل وهو تثويب الفجر وما رآه المسلمون حسنا فهو ثم الله حسن** یونہی مساجد کی آرائش اور ان کی دیواروں پر سونے چاندی کے نقش و نگار کہ اگلے زمانہ میں نہ تھا بلکہ حدیث میں فرمایا، **لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارى** تم مسجدوں کی آرائش کرو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے آرائش کی ہے۔ (رواہ ابوداؤد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

مگر اب دلوں کی وہ حالت نہ رہی ظاہری زیب و زینت سے اثر پیدا ہوتا ہے لہذا علماء نے جواز کا حکم دیا۔ تبیین الحقائق میں ہے، **لا يكره نقش المسجد بالجص وماء الذهب** یونہی مساجد کیلئے کنگرے بنانا کہ صدر اول میں نہ تھا۔ بلکہ احادیث میں ارشاد ہوا، **اتخذوا المساجد واتخذوها جمارا** رواہ ابن ابی شیبہ **والبيهقي في السنن عن انس بن مالك رضي الله تعالى عنه** یعنی مسجدیں منڈی بناؤ ان میں کنگرے نہ رکھو مگر مسلمانوں میں رائج ہے۔ **وما رآه المسلمون حسنا فهو ثم الله حسن** یعنی جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے۔

یوہیں تعلیم علم دین و امامت و اذان پر اجرت لینا دینا ممنوع و حرام تھا۔ حدیث میں ارشاد ہوا، **واتخذ مؤذنا لا ياخذ على اذانه اجرا** مؤذن ایسا مقرر کرو جو اذان پر اجرت نہ لے۔ رواہ الامام احمد و ابوداؤد و نسائی عن عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حدیث میں ہے، **اقرا القرآن والا ناكلوا به** قرآن پڑھو اور اسکے بدلے نہ کھاؤ۔ ہدایہ میں ہے، **ولا يجوز الا ستيجار على الاذان والحج وكذا الامامة و تعليم القرآن وانفقه** مگر جب متاخرین نے دیکھا کہ علم دین ضائع ہو جائے گا نماز و جماعت میں کمی واقع ہوگی تو جواز کا فتویٰ دیا۔



ہدایۃ میں ہے، وبعض مشائخنا استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم لانہ ظہر التوانی فی الامور الدینیۃ ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن وعلیہ الفتوی۔  
در مختار میں ہے، ولا جل الطاعات مثل الاذان والحج والامامة و تعلیم القرآن والفقہ ویفتی الیوم بصحتها التعلیم القرآن والفقہ والامامة والاذان و یجبر المستاجر علی دفع ما قبل فیجب المسمى بعقد واجر المثل اذا لم تذكر مدة شرح و هبانية من الشركة۔

طحطاوی میں ہے، قوله و یفتی الیوم بصحتها ای فی هذا الزمان لظهور التوانی فی الامور الدنیا وهذا مذهب المتأخرین من مشائخ بلخ استحسنوا ذلك وقالوا بنی اصحابنا المتقدمون الجواب علی ما شاهدوا من قلة الحفاظ ورغبة الناس فیهم وكان لهم عطیات من بیت المال و افتقار المتعلمین فی مجازاة للاحسان بالاحسان من غیر شرط مرؤة لیعینوهم علی معاشهم و معادهم وكانون یفتون بوجوب التعلیم خوفا من ذهاب القرآن و تحریضا علی التعلیم حتی ینھضوا لاقامة الواجب فیکثر حفاظ القرآن و اما الیوم فذهب ذلك كله واشتغل الحفاظ بمعاشهم و قل من یعمل حسبة لا یتفرغون له ایضا فان حاجتهم تمنعهم من ذلك فلولم یفتح لهم باب التعلیم بلاجر لذهب القرآن فافتوا بجوازه لذلك وراوه حسنا وقالوا الاحکام تختلف باختلاف الزمان

یہ چند نظائر بیان میں آئے جن میں تبدل زمان سے حکم مختلف ہو گیا اور جس نے کلمات علماء کا تتبع کیا وہ جانتے ہیں کہ کلام علماء میں اس کی بہت سی نظیریں ملیں گی کہ زمانہ سابق میں اور حکم تھا اور اب کچھ اور طحطاوی کا یہ جملہ **وقالو الاحکام تختلف باختلاف الزمان**۔ اس مضمون پر کافی روشنی ڈالتا ہے نیز جواہر الاخلاطی میں ہے، **هو وان كان احدا اثارا وهو بدعة حسنة و کم من شیء یختلف باختلاف الزمان والمكان** مگر حقیقتہً ان سب صورتوں میں تبدل احکام نہیں بلکہ **الضرورات توبیح المحذورات** پر نظر ہے۔ یا **اذا ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما** کا لحاظ ایسے امور کی طرف داعی ہوتا ہے، یا اختلاف زمانہ و مصالح المسلمین ان کی مقتضی ہوتی ہیں کہ یہ حالت اگر زمانہ متقدم میں پائی جاتی تو اس وقت بھی یہی حکم ہوتا جواب ہے اور متقدمین بھی اسی پر فتوے دیتے جس پر متاخرین نے دیا۔ (فتاویٰ امجدیہ، ج ۳ ص ۱۵۹ تا ۱۶۳ طبع مکتبہ رضویہ)

اور یہی فقہ کا اصول بھی ہے جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں موجود ہے، **لا ینکر تغیر الاحکام بتغیر الزمان** یعنی زمانہ کی تبدیلی کے سبب احکام کی تبدیلی کا انکار نہیں کیا جائے گا۔ رد المحتار، فتاویٰ عالمگیری اور صاحب بحر حضرت علامہ شیخ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف بابن نجیم المصری الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بحر الرائق میں فرماتے ہیں، **و کم من شیء یختلف باختلاف الزمان والمكان** بہت سی چیزیں زمان و مکان کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہیں۔ (بحر الرائق، ج ۸ ص ۲۲ طبع دار المعرفۃ بیروت)

آگے مثال پیش کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، فالاجرة على المعلم قال رحمة الله والفتوى اليوم على جواز الاستتجار لتعليم القرآن وهذا مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ استحسنوا ذلك وقالوا بنى اصحابنا المتقدمون الجواب على ما شاهدوا من قلة الحفاظ ورغبة الناس فيهم ولان الحفاظ والمعلمين كان لهم عطايا في بيت المال واقتادات من المتعلمين في مجازات التعليم شرط وهذا الزمان قل ذلك واشتغل الحفاظ بمعائشم فلولم يفتح لهم باب التعليم بالاجر لذهب القرآن فافتوا بالجواز والاحكام تختلف باختلاف الزمان وكان محمد ابن الفضل يفتي بان الاجرة تجب ويحبس عليها **يعنى خلاصہ عبارت زمانہ کی تبدیلی اور حالات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تعلیم پر ہجرت کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا۔ (ج ۸، ص ۲۳۱)**

حضرت علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رسائل ابن عابدین میں رسالہ شرح عقد رسم المفتی میں ایسے ۲۲ مسائل (جو زمانہ کی وجہ سے بدل گئے) بیان فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں، **فهذا كلها قد تغيرت احكامها لتغير الزمان اما للضرورة و اما للعرف و اما القرائن الاحوال و كل ذلك غر خارج عن المذهب لان صاحب المذهب لو كان في هذا الزمان لقال بها ولو حدث هذا التغير في زمانه لم ينص على خلافها** **یعنی یہ سب وہ مسائل ہیں جو زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے بدل چکے ہیں اور احکام کی تبدیلی کی بنیاد یا تو ضرورت ہے یا عرف و عادت یا قرائن احوال اور یہ سب بدلے ہوئے احکام فقہ حنفی سے خارج نہیں ہیں کیونکہ صاحب مذہب اگر اس زمانہ میں ہوتے تو وہ بھی ضرور یہی فرماتے اور اگر حالات کا یہ تغیر خود ان کے زمانہ میں واقع ہوتا تو وہ خود بھی ان احکام کے خلاف تصریح نہ فرماتے۔ (ص ۲۲) اور یہ احکام فقط زمانہ کی وجہ سے تبدیلی نہیں ہوئے بلکہ ان کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔**

جیسا کہ اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فتاویٰ رضویہ میں اپنے رسالہ اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام کے پانچویں مقدمہ میں قول کی دو قسمیں صوری اور ضروری سے متعلق کلام فرمائے ہوئے اسباب ستہ مرقوم فرماتے ہیں جن سے قول امام بدل جاتا ہے اور ایسی صورت میں قول صوری کو اختیار کرنے میں مخالفت اور ضروری کو اختیار کرنے میں موافقت ہوتی ہے: اسباب ستہ درج ذیل ہیں:- (۱) ضرورت (۲) حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) اہم مصلحہ (۶) فساد.....



اور یہ اسلئے ہے کہ ضرورتوں کا استثناء حرج کا دفع کرنا اور مصالح دینیہ کی رعایت جو زیادہ مفاسد سے خالی ہوں اور مفاسد کو دور کرنا، عرف کو اختیار کرنا اور تعامل پر عمل کرنا یہ ایسے شرعی قواعد کلیہ ہیں جو سب کو معلوم ہیں اور آئمہ یا تو ان کی طرف مائل ہیں یا ان کے قائل ہیں یا ان پر اعتماد کرتے ہیں اگر کسی مسئلہ میں امام کی نص موجود ہو اور پھر یہ مغیرات پائے جائیں تو ہم قطعی طور پر یہ جان لیں گے کہ اگر یہ امور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عہد میں ہوتے تو آپ کا قول انکے مقتضاً پر ہوتا نہ کہ انکے خلاف، تو ایسی صورت میں ان کے ضروری قول پر عمل ہے، نہ یہ کہ آپ کے منقول قول پر جمود ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱ ص ۱۰۰ الطبع رضا فاؤنڈیشن)

چوتھی قسم تعامل کی ایک مثال علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عقد رسم المفتی میں بیان فرماتے ہیں، رسائل ابن عابدین میں ہے،

**قال فی الذخیرۃ فی الفصل الثامن من الاجارات فی مسئلة مالو دفع الی حائك غزہ لینجہ بالثلث و مشایخ بلخ نصیر بن یحییٰ و محمد بن سلمة و غیرہما کانوا یجیزون هذه الاجارة فی الثیاب لتعامل اهل بلدہم فی الثیاب للتعامل بمعنی تخصیص النص الذی ورد فی قفیز الطحان لان لنص ورد قفیز الطحان لا فی الحایک الا ان الحایک نظیرہ فیکون واردا فیہ ولا لة فتی ترکنا العمل بدہ لة هذا النص فی الحایک و عملنا بالن فی قفیز الطحان کان تخصیصا لا ترکا اصلا و تخصیص النص التعامل جائز الاتری انا جوزنا الاستصناع للتعامل والاستصناع بیع مالیس عنده و انه منہی عنه و تجویز الاستصناع بالتعامل تخصیص اصلا لا ناعملنا بالنص فی الاستصناع قالوا هذا بخلاف مالو تعامل اهل بلدة قفیز الطحان فانه لا یجوز ولا تكون معاملتہم معتبرة لانا لو اعتبرنا معاملتہم کان ترکا للنص اصلا و بالتعامل لا یجوز ترک النص اصلا و انما یجوز تخصیصہ ولا کن مشایخنا لم یجوزوا هذا لتخصیص لا ناذک تعامل اهل بلدة واحدة و تعامل اهل بلدة واحدة لا یخص الا ثرلان تعامل اهل بلدة ان اقتصنی ان یجوز التخصیص بالشک بخلاف التعامل فی الاستصناع فانه وجد فی البلاد کما انتہی کلام الذخیرة**

یعنی ذخیرہ میں کتاب الاجارہ کی آٹھویں فصل میں جہاں یہ مسئلہ بیان ہوا کہ اگر کسی نے کاٹنے کیلئے سوت دیا اور اجرت کے طور پر تیار کپڑے کا تہائی مقرر کر لیا وہاں بلخ کے مشائخ جیسے نصیر بن یحییٰ محمد بن سلمہ اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات کپڑوں میں اس اجارہ کو جائز کہتے ہیں کیونکہ ان کے علاقے میں اس کا تعامل ہے اور تعامل ایک ایسی حجت ہے کہ اس کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور روایت میں تخصیص کر لی جاتی ہے اور کپڑوں کی بنائی میں تعامل کی وجہ سے اس اجارہ کو جائز قرار دینے کا مطلب اس حدیث میں تخصیص کرنا ہے جو قفیز طحان کے بارے میں وارد ہوئی ہے اس لئے کہ وہ حدیث آٹا پیسنے والے پیمانہ کے



بارے میں وارد ہوئی ہے کپڑا بننے والے کے بارے میں نہیں۔ یہ اس کی نظیر ہے اسلئے وہ حدیث دلالت اسکے بارے میں بھی ہوگی پھر جب ہم نے کپڑا بننے والے کے حق میں اس حدیث پر عمل نہ کیا اور آٹا پیسنے والے کے پیمانے کے بارے میں اس حدیث پر عمل کیا تو یہ حدیث میں تخصیص ہوئی حدیث کو چھوڑنا نہ ہوا اور تعامل کی وجہ سے حدیث کی تخصیص جائز ہے۔ جس طرح ہم اسلئے تعامل کی وجہ سے اسلئے کو جائز قرار دینا اس حدیث میں تخصیص کرنا جو اس چیز کو بیچنے کی ممانعت کے بارے میں آئی ہے جو آدمی کے پاس نہیں ہے۔ حدیث کو چھوڑنا نہیں کیونکہ ہم اسلئے کے علاوہ دیگر جزئیات میں اس حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ بات اس صورت سے جب کسی علاقہ میں قفیز طحان ہی کا رواج ہو جائے تو وہ جائز نہ ہوگا اور ان لوگوں کا معاملہ معتبر نہ سمجھا جائیگا اسلئے کہ اگر ہم ان کے معاملہ کو معتبر مان لیں تو حدیث کو بالکل چھوڑنا ہوگا اور تعامل کی وجہ سے حدیث کو چھوڑنا قطعاً جائز نہیں صرف تخصیص جائز ہے لیکن ہمارے علماء نے اس تخصیص کو جائز قرار نہیں دیا کیونکہ کپڑوں کی بنائی کا یہ معاملہ ایک خاص علاقہ کے لوگوں کا معاملہ ہے اور ایک علاقہ کے لوگوں کا تعامل حدیث میں تخصیص پیدا نہیں کرتا اسلئے کہ ایک علاقہ کے لوگوں کا تعامل اگر تخصیص کو چاہے گا تو دوسرے علاقہ میں اس کا عدم تعامل تخصیص کو روک دے گا۔ پس شک کی وجہ سے تخصیص ثابت نہ ہوگی اور اسلئے اس کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ وہ تمام علاقوں کا تعامل ہے۔ (رسائل ابن عابدین الجزء الاول ص ۴۷ مکتبہ عثمانیہ)

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رسائل ابن عابدین میں رسالہ نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف میں ذخیرۃ کے حوالے سے فرماتے ہیں، **اذا اشترى ثمار بستان و بعضها قد خرج و بعضها لم يخرج فهل يجوز هذا البيع ظاهر المذهب انه لا يجوز و كان شمس الاثمة الحلوانی یفتی بجوازه فی الثمار والباز نجان والبطیخ و غیر ذلك و كان یزعم انه مروی عن اصحابنا** یعنی جب باغ اس حالت میں خریدا کہ اس کا کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ نہ ظاہر ہوا تو کیا یہ جائز ہوگا تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ ناجائز ہے، حالانکہ شمس الاثمة حلوانی پھلوں، بیگن، تربوز وغیرہ میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ جواز ہمارے اصحاب سے مروی ہے۔ (رسائل ابن عابدین الجزء الثاني، ص ۱۳۹ مکتبہ عثمانیہ)

بحر الرائق میں ہے، **استحسن فيه لتعامل الناس فانهم تعاملوا ببيع ثمار الكرم بهذه الصفة ولهم في ذلك عادة ظاهرة وفي نزع الناس عن عاداتهم حرج** یعنی لوگوں کے تعامل کی وجہ سے انہوں نے اس کو پسند کیا کیونکہ وہ انگوروں کے پھل کا اسی حالت میں لین دین کرتے ہیں اور لوگوں کی یہ عادت معروف ہے جب کہ لوگوں کی عادت چھڑانا حرج کی بات ہے۔ (بحر الرائق، ج ۵ ص ۵۲۵ طبع دار المعرفۃ بیروت)



بالخصوص اس عبارت سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی عادت چھڑانا بہت مشکل اور حرج پر مبنی ہے لہذا فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ایسی صورت میں قیاس کو ترک اور نص میں تخفیف فرما کر عرف اور تعامل وغیرہ کی وجہ سے جواز کا فتویٰ عنایت فرماتے تھے۔

چونکہ رَدُّ الْمُخْتَارِ مَعَ ذَرِّ مُخْتَارِ میں ہے، **الفتویٰ علی عادة الناس** یعنی کہ فتویٰ لوگوں کی عادت پر ہوگا۔  
(رد المحتار مع در مختار، ج ۵ ص ۸۷ طبع دار الفکر بیروت)

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فتاویٰ رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں، بعض احکام کو شرع مطہر اپنے حکم سے عرف پر دائر کرتی ہے کہ جہاں جیسا عرف ہو شرع اس کا لحاظ فرما کر ویسا ہی حکم دیتی ہے، اصل حکم شرع ہی کیلئے ہوا اور اس کے معتبر رکھنے سے وہاں عرف کا اعتبار ہوا۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۵ ص ۵۵ طبع رضا اکیڈمی بمبئی)

لہذا اب چونکہ عورتوں کا جیولری کے ساتھ انگوٹھی پہننے پر ابتلاء عام ہو چکا ہے، لہذا ہمارے زمانہ کے اعتبار سے ان دھاتوں کی بنی ہوئی آرٹیفشل (Artificial) انگوٹھی کا پہننا تعامل کی وجہ سے جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہٗ اعلم عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عبدہ المذنب المفتقر الیٰ رحمة اللہ الباری

ابورضا محمد راشد القادری العطاری عفی عنہ

کتابہ

۱۰ صفر المظفر ۱۴۲۷ھ 5 مارچ 2006ء